مولانا عبدالقیوم حقانی

قسط ۱۳

بسلسلہ ارباب علم و کمال اور پیشۂ رزق حلال

لکڑہاروں اور بڑھیوں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ارباب فضل و کمال

علامہ سمعانی سے ملاقات

عشق و محبت میں سیری کہاں علم و معرفت کی انتہا نہیں۔ فیض و افادہ کے نقطۂ آخر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ صبح کی حاضری اور استفادہ نے دوپہر کی نیند اچاٹ کر دی۔ علم و معرفت کی کہانی، اور پھر علامہ عبدالکریم سمعانیؒ کی زبانی ؎

دنیا بغیر عشق ہمیں ناپسند ہے — یوسف نہیں تو مصر کا بازار کیا کریں

یہ جلوۂ حسن کا جمالِ عالمتاب تھا اور یا عشق و محبت کی صداقت کی کرامت تھی۔ کہ حضرت سلطان العارفین بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر محو کر رکھا تھا کہ دوسری جانب فرصتِ یک نظر بھی نہ تھی۔ ہمارا خیال بایزید والا نہ سہی مگر سمت تو وہی ہے اور راستہ بھی اس انداز کا ہے۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت بایزیدؒ کے شیخ حضرت سید جعفر بن امام کاظمؒ نے ایک بار طاقچہ سے کتاب مانگی تو بایزید نے جواباً دریافت کیا، حضرت! کونسا طاقچہ؟ اس پر شیخ نے فرمایا ؎

در حجرہ زسالہا مکینی — ایں طاق برسر چرا نہ بینی

تو حضرت نے عرض کیا ؎

نہ ال دم کہ بخدمت حضورم — از کثرتِ جلوہ غرق نورم
من فرصت یک نظر نیا بم — کز حسن شما نظر بتابم
ہر لحظہ نگاہ من بسویت — چشم من و آفتاب رویت
از غیر وجود تو خبر نیست — جز تابِ رُخت بکس نظر نیست

مجبور ز جذبِ حسن یارم
دارم نظر و نظر نہ دارم

مجھے بھی ذالحجہ ۱۴۰۸ھ کی چوتھی تاریخ کو صبح کے بعد اب دوپہر کو پھر حضرت سمعانیؒ کے حضور باریابی کا شرف

حاصل ہوا۔ دلِ بے تاب کے ہاتھوں مجبور و معذور، دوپہر کا قیلولہ بھی صرف دو منٹ لیٹ کر سنت ادا کر لینے تک تو کر لیا۔ مگر آرام کہاں۔ یہ داستانِ محبت ہے یہ دنیا ہی دوسری ہے یہ تو علم و مطالعہ اور استفادہ و فیض کا بازار ہے یہاں کی تہذیب جدا ہے اطوار جدا ہیں یہاں کا رنگ و جلوہ جدا ہے۔ کیسے بتایا جائے کہ اس میں لطف و کیف کی کیسی بہاریں ہیں ؎

از لطفِ خلاقِ زماں — داریم ممتاز از جہاں
وضع دگر طرزے دگر — ذوقے دگر شوقے دگر

علامہ عبدالکریم سمعانیؒ سے ہماری ملاقاتوں کی تمام روئیدادیں پڑھتے جایئے "وضع دگر، طرزِ دگر، ذوقے دگر، شوقے دگر" کی جھلکیاں نظر آتی چلی جائیں گی۔ ممکن ہے بعض دوستوں کو ہمارا یہ طرزِ تحریر اور افشائے راز ناگوار بھی ہو بعض گوارا کر بھی لیں۔ تاہم نقطۂ اعتراض پھر بھی دیکھتے چلے جائیں۔ اور ممکن ہے ہماری طرح کے بعض شوریدہ سروں اور از خود رفتہ آشفتہ سروں کو اس داستان کا سارا سراپا ہی حسن و جمال کا مرقع نظر آئے اور بعض ہوشیاروں کو ہماری دیوانگی پر ہنسی بھی آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ؎

سودا نہیں، جنوں نہیں دیوانہ پن نہیں — جینا ہے گر یہی تو یہ جینے کا فن نہیں
راحت سے احتیاط اور مصیبت سے انبساط — عاجز یہ اور کیا ہے جو دیوانہ پن نہیں

اپنی طبعی افتاد، کچھ دیوانگی اور آشفتہ سری، کچھ جنون اور از خود رفتگی نے پھر سے علامہ عبدالکریم سمعانیؒ کی الانساب کے آئینہ میں ان کی زیارت و ملاقات کا موقعہ بہم پہنچا دیا استفادہ اور کسبِ فیض کے یہ لمحات ہیں جو ہر لحاظ سے قیمتی اور زندگی بھر میں یاد رکھنے کا سرمایہ ہیں ؎

وہ رات اہلِ گلستاں کبھی نہ بھولیں گے — جو زیرِ سایۂ زلفِ بہار گذری ہے

حاضرِ خدمت ہوا۔ کتابی اور مطالعاتی ملاقات میں علامہ سمعانی نے پھر اپنی گراں قدر تالیف "الانساب" کا ورق ۱۷ کھول دیا۔ جس کی سرخی "حطاب" تھی۔ آج انہوں نے ہمیں علماء اور فضلاء جو حطابی کا کام کرتے تھے اور خدمتِ دین میں مصروف تھے کا تذکرہ سنانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ حطاب اس شخص کو کہتے ہیں جو جنگل اور صحرا سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر شہر و بازار میں لاتا ہے اور مناسب داموں فروخت کرتا ہے۔ یہ بھی محنت و مزدوری اور رزقِ حلال کا ایک اچھا پیشہ ہے۔ اس پیشہ کو بھی بڑے بڑے ائمہ فضلاء اور مشائخ نے اختیار کیا اور اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کی پاک کمائی سے اپنے بچوں کا پیٹ پالا۔ اردو میں انہیں لکڑ ہارے کہتے ہیں۔ یہ دین کا معجزہ ہے اور اسلام کی آفاقی صداقت کی نشانی ہے کہ لکڑ ہاروں میں دینِ اسلام اور علمِ دین کی روشنی پھیلی ہے۔ اور ان کے جھونپڑے علمِ دین کی دولت سے رشکِ فردوس بنے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ زید بن عبدالحمید حطاب اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور پارسا بزرگ تھے۔ ان کی علمی عظمتوں کی ایک دنیا قائل تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ان سے اور اہل مدینہ سے انہوں نے روایت کی ہے۔ بے چارے علم و فضل کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود لکڑہارے تھے۔ جنگلوں سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر شہر اور بازار میں بیچتے تھے۔ اس سے جو کمائی ہوتی، اسی قوت لایموت پر گذر اوقات کرتے۔ امام اوزاعی نے لکڑہاروں میں انہیں تابعی قرار دیا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے عمل اور کردار سے اپنی عزت اور وقار کا تحفظ کیا۔ کہ علماء کی عزت علم کی عزت ہے۔ زندگی بھر سعید اور صابر بن کر رہے۔ بنگلوں اور کوٹھیوں کا تصور بھی ان کے ہاں نہ تھا۔ لباس کے معیار وہ کب جانتے تھے۔ انہیں تو صرف اپنے ایک مقصد اور منزل سے عشق تھا۔ وہ علم پر عمل اور خدا کی رضا کا حصول تھا۔ خدا نے اس طلب صادق کے بدلے انہیں صاحب کمال بنا دیا۔ تو دنیا و آخرت میں سرخروئی کی سعادت مندیوں سے سرفراز ہوئے۔

ابوبکر بن حسین لکڑہارے کا تذکرہ ہوا تو علامہ سمعانیؒ نے بتایا کہ موصوف ۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے ۳۴۸ھ میں وفات پائی۔ علم حدیث کی تحصیل اکابر و اعیان علم سے کی۔ ان کے اساتذہ میں ابوخلیفہ فضل بن حباب، جعفر بن محمد فریابی احمد بن حسین اور حسین بن اسحاق صوفی زیادہ مشہور ہیں۔ تحقیق اور مطالعہ ان کی طبیعت ثانیہ تھا۔ تدریس فطرت کا جز بن گئی تھی۔ علم دین ان کا جینا اور مرنا تھا۔ قدیم ذخیروں اور دفینوں کو کھنگال کھنگال کر علم و معرفت کے گوہر نایاب لٹواتے رہے ان کی جامع شخصیت کی نکھار و بہار کے پس منظر میں وہ یقین کی دولت تھی جو ان کے دل و دماغ کی تہہ میں پیوست ہو چکی تھی۔ علم کی تدریس تھی یا یقین و معرفت کی ایک مقناطیسی اور برقی قوت جس نے سینکڑوں اور ہزاروں کو متاثر کیا۔ ابوالقاسم عبداللہ بن عمر بن بقال، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ جیسے اکابر ارباب علم و فضل اور اساطین علم نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

ابوایوب سلیمان بن عبداللہ رقی لکڑہارے تھے۔ خیر و برکت، صدق و صفا کا مجسمہ تھے۔ یہی پیشہ تھا یہی کاروبار اور یہی ذریعہ معاش تھا۔ مگر مقصود و منزل اور مطمح نظر خدمت دین اور اشاعت علم رہا۔ اپنے علم، عمل صالح اور صلاح و تقویٰ اور اسلامی سوسائٹی کی تشکیل اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں دلچسپی کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں بڑی عزت اور عبرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی درسگاہ طالبین و معتقدین سے ہر وقت بھری پڑی رہتی تھی۔ مدرسہ میں طلبہ کی کثیر تعداد ہمہ وقت تحصیل علم میں مصروف رہتی۔ ان کا اعمالنامہ روشن اور پاکیزہ تھا۔ عقیدہ اور ایمان کی پختگی اور دعوت و خدمت علم اور اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے انہیں سخت آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا۔ مگر وہ ہر حال میں راسخ العزم ثابت القدم اور صابر و شاکر رہے۔ ابوایوب سلیمان لکڑہارے حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے تلمیذ خاص ہیں۔ آپ کی ثقاہت اور دیانت کے لئے یہ بات کافی ہے۔ کہ جب آپ مکۃ المکرمہ تشریف لے جا

رہتے تھے تو را ستے میں کوفہ کے مقام پر امام ابوحفص عمر بن احمد نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور ہمیشہ اس کو فخر و امتیاز کے ساتھ بیان کیا۔

اسلام کا یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے ۔کہ بے چارے لکڑ ہارے بھی اسلامی علوم و معارف کی مسند پر جلوہ گر نظر آتے ہیں ۔اور قرآن و حدیث کے علوم و معارف اور کنوز و مخازن کی امانت کے محافظ اور ضامن بن کر ، امامت و سیادت اور عزت و شرافت کے بلند مقام کو پہنچے ہیں اور پھر جب تاریخ پڑھیں تو حیرت ہوتی ہے اور خدا کی عظمتیں یاد آتی ہیں ۔کہ ان لکڑ ہاروں نے واقعۃً بھی جنگلوں کو دار العلوم اور جامعات بنادیا تھا ؎

جلتا ہے چراغوں میں لہو اہلِ وفا کا
سنتے ہیں کہ رنگین تیری شام بہت ہے

تذکرہ تو لکڑ ہاروں کا چل رہا تھا لکڑی اور حطابی کی مناسبت سے نجاری ، بڑھئی کا ذکر چل نکلا ۔بڑا مزہ آیا ۔لطف و کیف کی انتہا نہ رہی ۔جب علامہ سمعانی نے الانساب کا ورق ۵۵ بھی اپنے دل کی طرح کھول کر سامنے رکھ دیا ۔

دیکھا اہلِ علم ہیں ، ارباب فضل و کمال ، صاحبان دین و دانش ، محدثین ہیں ، مفسرین ہیں ۔فقہا اور ائمہ وقت ہیں سب بڑھئی تھے ۔سب اپنے ہاتھوں سے لکڑیاں تراشتے ۔لکڑی کا سامان بناتے ۔نجاری کے پیشہ پر فخر کرتے تھے ۔آج ایک محفل جمائے جلوہ آرا ہیں ۔دنیا میں بڑھئیوں کا کام کرتے اور رزق حلال کماتے تھے مگر علم و معرفت کے میدانوں میں کسی بھی طبقہ سے کم حصہ نہیں لیا ۔بڑھئیوں نے بھی کاروان علم و فضل کے شانہ بشانہ چل کر منزلِ مقصود پائی ہے ؎

یہ دھوم آپ کی زنجیر کی نہیں ہوتی ہمارا پاؤں اگر درمیاں نہیں ہوتا

صالح بن دینار نجار تھے ۔بڑھئیوں کا کام کرتے تھے ۔مدینہ منورہ میں قیام تھا ۔سکونت بھی وہیں کی تھی ۔تابعیت کے شرف سے مشرف تھے ۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے ۔ان کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ قناعت و سادگی ، زہد و ضبط نفس کو ترجیح دیتے تھے ۔جاہ و منصب کے سحر و طلسم سے آزاد ہونے اور زندگی کے رنگین ، خوشنما اور کھوکھلے مظاہر سے بے اعتنائی کرتے تھے ۔ان کے نزدیک کثرت معلومات ، علم و مطالعہ کی زیادتی ، طلاقت لسانی زور خطابت اور آرائش و زیبائش اسلامی انقلاب کا ذریعہ نہیں بلکہ زندہ ضمیر اور صلاح و تقویٰ کے بغیر رضائے خدا کا حصول ناممکن سمجھتے تھے ۔وہ انسانوں میں ایسا دل پیدا کرنا چاہتے تھے جو زندگی اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو ۔اس میں اپنے اور پرائے کی تمیز کو نا روا سمجھتے تھے ؎

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ
رستے میں خواہ دوست کہ دشمن کا گھر ملے

ابوبکر محمد بن جعفر بھی نجار تھے بڑھئی ہونا ان کے لئے قابلِ فخر نسبت تھی ثقہ بزرگ محدث اور

حدیث کے کامیاب استاد تھے قرآن کا خصوصی شغف تھا۔ حفظ القرآن کا خصوصیت سے اہتمام کرتے تھے۔ ابو محمد نحوی تو معروف ہی ابن النجار تھے۔ کوفی تھے ثقہ اور جید عالم تھے علم حدیث کی تحصیل کا شوق ابھرا تو اپنے وقت کے عظیم اور مشاہیر محدثین محمد بن حسین اشنانی، عبداللہ بن ثابت حریری۔ اسحاق بن محمد۔ ابو رؤف احمد بن بکر۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ صوفی جیسے عظیم اساتذہ حدیث کی خدمت میں پہنچے۔ زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک علم و فضل میں کمال حاصل نہ کر لیا۔ پھر حدیث اور خدمت علم کے ساتھ ساتھ بڑھیوں کا کام کیا حمیت اسلامی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ قرآن و حدیث اور اجتہاد و استنباطِ مسائل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دیدہ وری اور نکتہ سنجی کی غیر معمولی دولت سے نوازا تھا اور پھر اللہ نے ان پر کرم فرمایا کہ ان کو خدمت و اشاعت علم کے لئے ایک بے چین روح اور مضطرب قلب مرحمت فرمایا تھا۔ ان کی ذہانت و عالی ظرفی۔ ان کی اولوالعزمی و ثابت قدمی اور حوصلہ مندی اور شفقت اور ہمدردی نے انہیں بڑا بنا دیا۔ اور اس میں نجاری آڑے نہیں آئی۔

ابوالقاسم زہری، محمد بن احمد عکبری ان کی در دولت اور درسگاہ علم میں پہنچے اور کسب فیض کو سعادت و سند سمجھا۔ اپنے زمانہ کے عظیم انسان اور شیخ الکوفہ تھے۔ ۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۲ھ میں کوفہ میں ان کی وفات ہوئی۔

اس کے بعد علامہ سمعانی نے ابوسلیمان بن داؤد نجار کا ذکر چھیڑا۔ ارشاد فرمایا۔

موصوف یمامی اور بصری تھے مگر نجاری کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے۔ عمارہ بن عقبہ۔ یحییٰ بن مروان اور ابو تمامہ سے علم حدیث کی تحصیل اور تکمیل کی۔ ابوزرعہ اور ابو حاتم رازی جیسے جبال علم و فضل نے ان سے تلمذ کو اپنے لئے فخر و امتیاز کا ذریعہ اور اخروی سعادتوں کا وسیلہ قرار دیا۔ زمانہ طالب علمی سے ان کی نگاہ بلند مقاصد پر رہی اپنے محدود اور مخصوص ماحول میں رہ کر بھی انہوں نے اپنے خداداد کمالات، جوہر ذاتی اور استعداد و صلاحیت پر محنت کی اور اسے چمکایا، بڑھایا اور علمی و روحانی بلندیوں پر اپنا نشیمن بنایا۔

انہوں نے اپنی ضروریات کے لئے تو چھٹی کر دی اور بعض اوقات علمی اور دینی ضرورت کے پیش نظر بڑھئی کے کام سے چھٹی کر لی۔ فقر و فاقہ، عسر و افلاس تو برداشت کر لیا مگر تحصیل و اشاعت علم سے چھٹی نہیں کی ؎

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

دنیا کے مسافر، ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے اور ہر منزل پر جانے والے مسافر کے لئے تو آرام ہے۔ مگر علم کے اس مسافر نے اپنے اوپر راحت حرام کر لی تھی۔ جس کی برکت سے انہیں کمالات حاصل ہوئے۔ امتیاز و اختصاص اور صدق و اخلاص کی ایسی دولت لازوال حاصل ہوئی کہ جو سرمایہ دار کروڑوں کے صرفہ سے بھی نہیں خرید سکتے۔ موصوف ارباب خیر و صلاح کے شیخ و پیشوا مانے جاتے تھے۔ بڑے بڑے علماء وقت نے ان سے پڑھا اور بھرپور

سلسلہ در سلسلہ چلتا رہا۔ ابوحاتم نے ایک مرتبہ ان کے بارے میں یحییٰ بن معین سے کہا کہ میں نے ان کو بصرہ میں بہت عافیت اور آرام کی حالت میں چھوڑا ہے۔ اس کے بعد یحییٰ بن معین نے ان کی زبردست تحسین و تعریف کی اور فرمایا کہ تم یوں کہو کہ میں نے یمامہ میں ان سے زیادہ علم حدیث کا سمجھنے والا کسی کو نہیں پایا +

بقیہ: صحیفے یا اہل حق

جسے روزی کمانے کے لئے نہ ہل جوتنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ نہ کھیتی باڑی نہ مزدوری اور نہ بار برداری کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ بلکہ پوری بے فکری اور راحت سے نہیں پکا پکایا رزق ملتا ہے۔ باقی لوگ ایک ایک نوالہ اور ایک وقت پیٹ بھرنے کے لئے شب و روز محنتوں اور مزدوریوں میں سرگرداں رہتے ہیں مگر یہ ہمارا زمرہ مساکین اس دور زوال میں بھی جب کہ لوگوں کی نظروں میں کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں۔ سب سے زیادہ فارغ البال اور مطمئن۔ یہ اسی حدیث کی صداقت ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ نے سنی اور بیان فرمائی۔

انسانیت کا مابہ الامتیاز ارشاد فرمایا علماء کے اس زمرہ میں شامل ہونا اور تعلیم و تعلم کی توفیق اللہ کی طرف سے بڑی نعمت ہے۔ تخلیق اور پیدائش کی نعمت تو مشترکہ نعمت ہے۔ جو نباتات، حیوانات، جمادات، فلکیات اور دیگر عناصر اور سب مخلوق میں پائی جاتی ہے مگر انسان کا مابہ الامتیاز علم الانسان مالم یعلم ہے۔ ہم سب موجودات ہیں۔ موجد خداوند تعالیٰ ہے۔ وجود اثر ربوبیت ہے۔ الحمد للہ رب العالمین وجود اسی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔ جو مشترک ہے مگر علم امتیازی چیز ہے جو شانِ اکرمیت کا مظاہرہ ہے اسی کی بدولت ہمارے جدِ امجد کو خلافت ارضی کی نعمت ملی +

بقیہ:- ابن جریر

اسی طرح ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:-

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اسباب قتل کے بارہ میں جو باتیں بیان کرتے ہیں ان میں سے اکثر چیزوں کا ذکر ہم نے اس لئے نہیں کیا کہ وہ سب بے سروپا اور نظر انداز کر دینے کے قابل تھیں" (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۵۶)

طبری کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طبری کے عہد میں اس قسم کی بے سروپا اور بے بنیاد روایات عام طور پر رائج اور زبان زد خلائق تھیں۔ طبری نے ان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ بعض اور مؤرخین نے ان کو اپنی تاریخ کا جزء نہ بنایا ہوگا؟